79

کسی بات سے نتیجہ نکالنے سے قبل اُس پر کافی غور کرنا چاہیئے

(فرمودہ ۱۶؍ اپریل ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مَیں نے پچھلے جمعہ سے پہلے جمعہ ایک خاص امر کی طرف جماعت کو توجہ دلانے کے لیے بعض تمہیدی باتیں بیان کی تھیں۔ جو کچھ اس دن بیان کیا تھا۔ اس سے آیندہ مضمون کا نتیجہ نکالنا مشکل امر تھا۔ مگر خطبہ نویس کی بے توجہی کی وجہ سے یا کسی اور باعث سے پیشتر اس کے کہ مَیں بیان کروں کہ وہ کونسا مضمون تھا۔ اس خطبہ کا عنوان تعلق باللہ لکھ دیا گیا۔ گو دین کی ہر ایک بات بہر حال تعلق باللہ میں داخل ہو جاتی ہے، لیکن اس تمہید کا بلاواسطہ طور پر تعلق باللہ سے تعلق نہ تھا۔ اس سے مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اسی رنگ میں اور لوگوں نے بھی غلط نتیجہ نکالا ہو۔ اس لیے مَیں اس کی اصلاح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

جب تک بات پر غور نہ کیا جائے۔ اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اور اسی سے ٹھوکر لگتی ہے۔ اور اسی ٹھوکر کے باعث علمی کمزوریاں رہ جاتی ہیں۔ عام طور پر اس کو علم سمجھا جاتا ہے کہ مکمل اور پوری بات سُننے بغیر نتیجہ نکال لیا جائے۔ چونکہ وہ خیال کر لیتے ہیں کہ ہر ایک بات ابتدا سے انتہا تک نئی نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ساری بات سُنے بغیر ہی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ علوم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ مَیں نے اس تمہید میں اسی بات پر زور دیا تھا۔ کہ جب بات سُنو۔ تو غور سے سُنو۔ اور پوری سنو۔ پھر نتیجہ نکالو۔ مثل مشہور ہے۔ کسی جگہ چند آدمی تھے۔ ایک شخص نے بغیر کسی کا نام لیے کہا۔ وہ تو جس وقت پہرے کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا یہ تو معلوم نہیں۔ ہاں گم شدہ چیز کو خوب تلاش کرلاتا ہے۔ تیسرے نے کہا۔ یہ تو مَیں جانتا نہیں۔ ہاں یہ جانتا ہوں وہ گاتا اچھا ہے چوتھے نے بھی اسی قسم کی کوئی بات کہی۔ آخر چاروں ایک دوسرے سے لڑنے

لگے۔ اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ تم میرے خلاف کیوں کہتے ہو۔ ایک شخص پاس سے گزرا۔ اور لڑائی کا سبب پوچھا۔ تو ایک نے کہا کہ میں فلاں کُتّے کا ذکر کر رہا تھا۔ دوسرے نے کہا کہ میں فلاں گویّے کا ذکر رہا تھا۔ غرض ہر ایک نے کسی دوسری ہی چیز کا نام لیا۔ تو ان چاروں نے ایک دوسرے کے طرز سے اپنے اپنے خیال کے مطابق نتیجہ اخذ کر کے فیصلہ کر لیا کہ فلاں کے متعلق کہا گیا ہے۔ اور ساری خرابی اسی بات سے پیدا ہوئی کہ مکمل بات سُننے بغیر یونہی فیصلہ کر لیا تھا۔ تو ایک آدھ بات سُنکر کہدیا جاتا ہے کہ ساری بات یہ ہو گی۔ دُنیا کی کوئی کتاب پڑھو۔ اس میں تمام باتیں ایسی نہ ہونگی۔ جو تمہیں پیشتر سے معلوم نہ ہوں، بہت سی پہلے معلوم ہونگی۔ قرآن کریم ہی کو دیکھ لو اس میں بہت سی باتیں ایسی ہونگی جو پہلے سے معلوم ہونگی، لیکن جو لوگ ان معلومہ باتوں کی وجہ سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم نے سمجھ لیا۔ وہ علوم سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ علوم کے حاصل کرنے اور بڑھانے میں توجہ کا بہت بڑا دخل ہے۔ جب ایک شخص کسی بات کے متعلق کہتا ہے کہ میں اسے جانتا ہوں۔ تو اس کی توجہ اس سے ہٹ جاتی ہے اور وہ ایک علم کی حقیقت اور خوبی سے ناواقف رہتا ہے، لیکن جو غور کرتا اور توجہ قائم رکھتا ہے۔ اور اسلوب بیان کو جانچتا اور بات کی تہہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا علم دوسرے شخص کی نسبت بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کے لیے ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص شخص کی تلاش میں نکلے تو دُور سے کسی اور ہی شخص کو وہ خیال کر کے پکارے گا۔ اور پاس جا کر غلطی سے آگاہ ہو گا، لیکن اگر اس سے ملنے کی ضرورت نہ ہو۔ تو خواہ وہ پاس سے گزر جائے تو بھی اس کی طرف توجہ نہیں ہو گی۔ پس جو لوگ باتوں پر غور کرتے ہیں۔ وہ ان میں جدت پاتے اور ترقی کرتے ہیں۔ مگر جو ہر ایک بات کو جانی ہوئی سمجھتے ہیں۔ وہ غور نہیں کر سکتے۔ اس لیے علوم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی نقص ہے۔ جو تمام علوم کے حصول میں حائل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس نقص کو دُور کر دیتے ہیں۔ وہ علوم حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی نقص کے نہ ہونے کے باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ اور اسی کے ہونے سے ابوجہل، ابوجہل ہو گیا۔ ایک ہی باتیں ہوتی ہیں کہ ایک شخص غور کر کے علوم کے نئے نئے رستے نکال لیتا اور بڑے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ مگر دوسرا اس گُر کو چھوڑ کر گر جاتا اور علوم سے محروم رہ جاتا ہے۔ دیکھو ابوبکر اس گُر پر عمل کر کے ایک۔ بات سُنکر ابوبکرؓ ہو جاتا ہے، لیکن ابوجہل اس گُر کو چھوڑ کر اسی بات کو سُنکر ابوجہل ہو جاتا ہے۔

یہی قرآن کریم ہے۔ جس کے متعلق مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ تمام رُوحانی علوم کا مجموعہ ہے مگر برخلاف اس کے آج کل کے مولوی کہتے ہیں کہ جو باتیں پہلے کہہ گئے۔ ان سے زیادہ اس میں کچھ نہیں۔ اگر کوئی معرفت کی اور

علم کی بات بیان کی جائے۔ تو کہتے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو پہلے علماء کی سمجھ میں کیوں نہ آئی۔ یہ خیال کر کے انہوں نے قرآن کریم پر غور کرنا چھوڑ دیا۔ اور اس کے علوم اور معارف سے محروم ہو گئے۔ اب کیا فرق ہوا۔ یہی کہ مسیح موعود اور اس کے طریق پر چلنے والے قرآن پر غور کرتے اور اس سے علوم نکالتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور مولوی لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس کے محض لفظوں کا تکرار ہی ثواب کی بات ہے۔

پھر دیکھو یہی زمین جس پر ہم رہتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اسی مصرف کی چیز تھی۔ لیکن یورپ کے لوگوں نے اسی سے وہ کچھ نکالا کہ دُنیا کو حیران کر دیا۔ یہی پانی جسے ہم پیتے ہیں۔ یورپ نے اس کی گیسیں بنا کر بڑے بڑے کام اس سے نکالے۔ غرض جب تک کسی بات پر غور نہ ہو۔ سرسری سننے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

اسی پچھلے جلسہ میں پہلے دن مَیں نے یہ بات بیان کی تھی۔ کہ دُنیا میں بہت سے گناہ ہیں اور اس بیان میں مَیں نے انسان کے بندۂ خدا بننے پر مفصل گفتگو کی تھی اور اس کے ضمن میں نیکی اور بدی کا بھی ذکر تھا۔ مَیں نے بتایا تھا کہ بدیاں بہت ہیں، لیکن وہ گناہ جس کے باعث شعائر اسلام پر حرف آتا ہو۔ وہ بہت خطرناک گناہ ہوتے ہیں۔ وہ چھوٹی بدی جس کے باعث اسلام بدنام ہو۔ بہت بڑی ہے۔ بہ نسبت اس بدی کے جو محض ارتکاب کرنیوالے کی ذات کیلئے ہلاکت کا موجب ہو، ایک شخص اندھیری رات میں کہیں چوری کیلئے جاتا اور سیندھ لگاتا ہے۔ یہ گناہ ہے اور اسکی ذات کیلئے بڑا گناہ ہے مگر وہ شخص جو مسلمان کہلا کر علی الاعلان سود لیتا ہے۔ وہ اس کی نسبت بہت بڑا گناہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ شور مچائیں کہ اسلام قابلِ عمل مذہب نہیں۔ اس وقت جزوں اور گناہوں کے شرعی مدارج کو چھوڑ کر محض اس وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں گناہ زیادہ بڑا ہے کہ اسلام کے لیے اعتراض کا موجب بنتا ہے۔

یہ تھی میری تقریر۔ لیکن اس کے سیاق و سباق پر غور نہ کیا گیا۔ اور الفضل میں لکھ دیا گیا کہ احباب کو چاہیئے کہ جو ہدایات ان کو جلسہ میں دی گئی ہیں۔ ان پر کاربند ہوں۔ بالخصوص دو شادیاں کرنے پر ضرور عمل کریں۔ یہ کیوں لکھ دیا گیا۔ اس لیے کہ میرے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ دو شادیوں کے لیے کہا کرتا ہے۔ بیشک مَیں کہا کرتا ہوں، لیکن مَیں نے اس وقت یہ بات بیان نہیں کی تھی بلکہ مَیں نے تو اس وقت مثال کے طور پر کہا تھا کہ جو لوگ دو شادیاں کرتے ہیں مگر انصاف نہیں کرتے وہ سمجھ لیں کہ وہ ایک سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جس سے لوگوں کو اسلام سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ ان کا گناہ اس گناہ کی نسبت جو پوشیدہ طور پر کیا جائے اور ان کی ہلاکت کا موجب ہو۔ بڑا

ہے کیونکہ اس سے ان کی ذات کی بجائے اسلام اعتراضات کا نشانہ بنتا ہے، لیکن جو شخص دو شادیاں اس لیے کرتا ہے کہ مسلمان بڑھیں اور انسانی نسل کی ترقی ہو۔ اور بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرتا ہے۔ وہ اسلام پر اعتراض کا موجب نہیں بنتا، بلکہ اسلام پر سے اعتراض کو دُور کرتا ہے۔

یہ بات تھی جو مَیں نے بیان کی۔ لیکن جونہی کہ میری تقریر میں دو بیویوں کا ذکر آیا۔ فوراً خیال کر لیا گیا کہ یہ دو بیویوں کے کرنے کے متعلق ہی کہہ رہے ہیں۔ باقی جس قدر بات مَیں نے بیان کی۔ اس پر توجہ نہ کی گئی۔ اور ایک اُدھورا فقرہ سُنکر فیصلہ کر لیا گیا کہ مطلب یہی ہوگا۔ حالانکہ جب تک کسی بات پر پورا غور نہ کیا جائے۔ اس کے تمام پہلو سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور نہ ناقص غور کے ذریعہ علوم ترقی کر سکتے ہیں۔

آج کل یہ کمال خیال کیا جاتا ہے کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو فوراً درمیان میں بول پڑیں۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کہ ہم خوب سمجھتے ہیں۔ اور گویا ان لوگوں کی علمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مباحثوں اور مناظروں میں علماء ایسا کرتے ہیں۔ اس سے غرض مخالف پر رُعب ڈالنا ہوتی ہے، لیکن ہر جگہ یہ بات درست نہیں ہوتی ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ اپنا ایک الہام سُنا کر کہنے لگے کہ خُدا اور بندے کے کلام میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے آپ نے ایک حریری کا فقرہ پڑھا۔ ایک صاحب فوراً درمیان میں بول پڑے۔ اور انھوں نے پہلی بات پر تو غور نہ کیا۔ اور اس فقرے کو الہام سمجھ کر کہنے لگے، واقعی کیسی عمدہ عبارت ہے اور کیا فصاحت وبلاغت ہے، لیکن جب حضرت صاحب نے فرمایا:-

آپ سُنیں تو سہی اور پھر آپ نے اس میں نقص بتلائے اور الہام کی اس پر فضیلت ثابت کی۔

غرض یہ طریق ہو گیا ہے کہ پورا کلام سُنے بغیر لوگ نتیجہ نکالتے ہیں۔ اسی طریق سے اسی سلسلہ مضمون کی تمہید کے عنوان میں غلطی کی گئی۔ حالانکہ میری مُراد یہ بتانا تھی کہ لوگ بعض فقرے کہتے ہیں، مگر انہیں سمجھتے نہیں۔ کہتے ہیں۔ اتحاد کرو، لیکن نہیں سمجھتے کہ کیوں کرو۔ کیوں نہ کرو۔ اتحاد کرنے کے کیا فوائد ہیں۔ اور نہ اتحاد کرنے کے کیا نقصانات۔ یا یہ کہ غیبت نہ کرو۔ کیوں نہ کرو۔ اس کے کیا نقصانات ہیں۔ اور اس سے بچنے کے کیا ذرائع ہیں۔ یا یہ کہ جھوٹ نہ بولو۔ کیوں نہ بولو۔ اس کے کیا نقصانات ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مومن کے لیے یہ تعلیم نہیں۔ کہ وہ کسی بات کی سطح پر رہے۔ بلکہ اس کو حکم ہے کہ وہ ہر بات کی تہہ میں داخل ہو جائے۔ مگر افسوس! بجائے اس کے کہ اکثر لوگ بات کی تہہ میں جائیں۔ وقت سے پہلے ہی نتیجہ نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج میں بجائے اس کے کہ اصل وہ مضمون شروع کروں، اس نصیحت کو دُہراتا ہوں کہ ہر ایک بات پر پورا پورا غور کرنا اور توجہ سے سُننا چاہیئے اور بغیر ساری بات سنے نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مومن وہی نہیں ہوتا جو جمیع صفات کا مکمل طور پر جامع ہو۔ بلکہ مومن وہ بھی

ہوتا ہے۔ جس میں تمام صفات کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہوں۔ مثلاً جنھیں لوگ خوبصورت کہتے یا سمجھتے ہیں وہ بے نظیر نہیں ہوتے اور ان کے تمام اعضاء بے مثل نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے اعضاء میں ایک حد تک تناسب ہوتا ہے لیکن جس شخص کے اعضاء میں تناسب نہ ہو۔ اس کا کوئی عضو خواہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو۔ وہ حسین نہیں کہلا سکتا۔ اگر اس کے مقابلہ میں دوسرے اعضاء خوبصورت نہ ہوں۔ مثلاً ایک شخص کی آنکھیں بہت خوبصورت ہوں۔ مگر ناک یا کان نہ ہوں۔ یا ہوں تو خوبصورت نہ ہوں۔ وہ کبھی حسین نہیں کہلائے گا۔ بلکہ اس کی شکل بھیانک ہو گی۔ یا اسی طرح ایک شخص کی ناک بہت خوبصورت ہو مگر آنکھیں اچھی نہ ہوں۔ تو اس کو بھی خوبصورت نہیں کہہ سکتے۔ غرض حُسن نام ہے۔ اجمالی طور پر تمام اعضاء میں تناسب اور موزونیت کا۔ اسی طرح مومن وہ ہے جس میں عمدہ صفات پائے جاتے ہوں خواہ بمرتبۂ کمال نہ ہوں اور چاہے کمزوریاں بھی ہوں۔ اور ہوتی ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ اور تمام اعلیٰ صفات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ مثلاً بنی نوع کی ہمدردی جس قدر عیسائیوں میں ہے۔ دوسرے لوگ کم دکھاتے ہیں۔ پچھلے دنوں یہاں قادیان میں ایک انگریز آیا تھا۔ اس کی ہندوستان میں آنے کی غرض محض یہ تھی کہ وہ کوڑھ کے مریضوں کا علاج کرے۔ اور ثواب حاصل کرے۔ وہ تلاش کرتا پھرتا تھا۔ لیکن اگر یہاں کے لوگوں کو موقع ملے تو ان کو گھن آتے۔ یہ رُوح مسلمانوں میں کم ہے۔ حالانکہ جس طرح خوبصورتی۔ آنکھ۔ ناک۔ کان میں تناسب کا نام ہے اسی طرح مومن وہی ہے جس کے سب عمل ٹھیک ہوں۔

ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ وباء جو پچھلی دفعہ ملک میں پھیلی تھی۔ اب پھر بڑھ رہی ہے۔ اس کا رُخ پنجاب کی طرف ہے۔ ۱۹ء میں بھی اس کی آمد آمد تھی، لیکن خدا تعالیٰ نے اس وقت اس کو اپنے فضل و رحم سے دُور کر دیا تھا۔ اب بھی اللہ تعالیٰ دُور فرماتے۔ مگر یہ خُدا کے عذاب ہیں۔ جب تک لوگ اسلام سے نفرت اور سچائی کی مخالفت کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے حملہ کرتا رہے گا۔ اور جب تک لوگ مخالفت میں بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں اپنے مومنانہ جوش سے تمام بنی نوع کی ہمدردی میں مصروف رہنا چاہیئے۔ یاد رکھو اسلام ہر انسان کو جان کی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔ اور ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اپنی جان ضائع کرے۔ مگر بعض جگہ خدا کا ہی حکم ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیں۔ بعض لوگ خطرے سے بچنے کیلئے کہدیا کرتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے۔ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ[1] گو سیاق

---

[1] سورۃ البقرہ: ۱۹۶

وسباق سے اس کے اور معنے نکلتے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔ لیکن قرآن یہ بھی تو کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے خوف سے کتنی ہی کوٹھڑیوں میں چھپے۔ تو موت وہاں بھی نہیں چھوڑتی۔ دراصل اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں خطرے میں پڑنا مفید ہو۔ وہاں خطروں میں پڑنے سے بچنا نہیں چاہیئے۔ اس موقع پر میں قادیان والوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تیمارداری اور بیماروں کی خدمت کرنا سیکھیں۔

یہاں تو یہ باتیں معمولی سمجھی جاتی ہیں، لیکن یورپ میں اس کے سکھانے کے کالج ہوتے ہیں لیکن یہاں ایسی باتوں کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے ایک شخص نے مشورہ لیا۔ کہ میں درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا کام ہے۔ وہ باہر کام سیکھنے گیا، لیکن چند ہی دن کے بعد آ گیا۔ اور جب میں نے پوچھا۔ اتنی جلدی کیوں واپس آ گئے ہو۔ تو کہنے لگا کہ میں کام کرنے کے گُر سیکھ آیا ہوں، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح اسے پہلے کام کرنا نہیں آتا تھا۔ اسی طرح پھر بھی نہ آیا۔ اسی طرح میں نے کئی دفعہ بتایا ہے۔ ایک شخص طب پڑھنے کے لیے ایک طبیب کے پاس گیا۔ ایک دن طبیب ایک مریض کو دیکھنے گیا اور ساتھ اس کو بھی لے گیا۔ مریض کو سوءِ ہضمی کی شکایت تھی۔ طبیب نے کہا۔ آپ نے شاید چنے کھائے ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ شاگرد نے دیکھا۔ تو وہاں اس کو چنے کے دانے نظر آئے۔ اس نے خیال کیا۔ طبیب نے یہ دانے دیکھ کر ہی بیمار ہونے کا باعث سمجھا ہے۔ اور بیماری کا پتہ لگانے کا گُر یہی ہے۔ جو چیز آس پاس ہو وہی بیماری کا باعث سمجھ لی جایا کرے۔ یہ خیال کر کے وہ واپس اپنے وطن پہنچا۔ اور مشہور کر دیا کہ میں طب پڑھ آیا ہوں۔ ایک دفعہ ایک امیر بیمار ہوا۔ اس کے ہاں اس کو بُلوایا گیا۔ جب گیا۔ نبض دیکھنے کے بعد ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ اتفاقاً مریض کی چارپائی کے نیچے گھوڑے کی زین پڑی تھی۔ کہنے لگا۔ آپ نے بھی تو غضب کیا کہ زین کھائی ہے۔ بھلا کوئی زین بھی کھاتا ہے۔ امیر نے کہا۔ یہ تو کوئی پاگل ہے اور اس کو پٹوا کے باہر نکلوا دیا۔ تو تیمارداری کا بھی ایک فن ہے جو محنت سے آتا ہے۔ اور ہر ایک کام کا یہی حال ہے کہ جب اس کے کرنے کے طریق نہ آتے ہوں۔ عمدگی سے نہیں ہو سکتا۔ کل ہی کی بات ہے۔ مغرب کے وقت مسجد کے اُوپر دریاں بچھانے کے لیے کوئی تیس آدمی لگے۔ اور اتنا شور ہوا کہ الامان، لیکن اگر فوجی یا فراش ہوتے۔ تو چار ہی آدمی لگتے۔ اور نہایت اطمینان اور خاموشی سے دریاں بچھ جاتیں۔ تو ہر ایک کام سیکھنے سے آتا ہے۔ اور اس پر محنت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح تیمارداری بھی سیکھنے سے آتی ہے۔ پس اوّل تو اللہ تعالیٰ اس آنے والے خطرے سے محفوظ رکھے، لیکن اگر آئے تو اس

خدمت کے لیے تیار ہونا چاہیئے اور عمدگی سے یہ خدمت کرنی چاہیئے۔ پہلی دفعہ جب انفلوئنزا پڑا۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ ایک غیر احمدی عورت جس کے رشتہ دار بیمار تھے۔ غیر احمدیوں کے محلہ میں پانی پانی کرتی مر گئی۔ اور کسی نے اس کو پانی کا گھونٹ نہ دیا۔ یاد رکھو۔ جو شخص ایسے وقت میں بالخصوص اپنے بھائیوں کی اور عموماً سب کی خدمت اخلاق و ہمدردی سے نہیں کرتا اس کو اللہ تعالےٰ کے دروازے تک رسائی نہیں ہوتی۔"

(الفضل ۲۴ر مئی ۱۹۲۰ء)